Urdu Scholars Ki Duniya- International Refereed Journal for Urdu ISSN 2320-5369, EISSN 2320-8910
IF: Cosmos Impact Factor: 3.527 IF: Global Impact Factor: 0.383

وحشی سعید کے افسانوں کا فکری وفنی جائزہ

Talib Hussain Dar

Research Scholar ,Punjabi University , Patilala Punjab- India

ریاست جموں وکشمیر جہاں ایک طرف پوری دنیا میں اپنی خوبصورتی، دلکش مناظر، دلفریب آب وہوا اور منفرد تہذیبی وثقافتی خصوصیات کی بنا پر ''جنتِ بے نظیر'' کی حیثیت سے مشہور ہے، وہیں یہ دوسری طرف ابتداء سے ہی علم وادب کا گہوارہ بھی رہی ہے۔ اس سرزمین نے ایسے ان گنت شعراوادباء پیدا کئے ہیں جن کی فنکارانہ کاوشوں کو نہ صرف ریاستی یا قومی سطح پر سراہا گیا ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی ان کا اعتراف کیا گیا ہے۔خواہ غزل ہو یا نظم، قصیدہ ہو یا رباعی، یا پھر ناول، افسانہ وتنقید غرض ہر ایک صنفِ سخن کی ترقی وترویج میں یہاں کے شاعروادیب پیش پیش رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کی موجودہ افسانوی روایت کا جائزہ لیا جائے تو بہت سارے نام ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں جو افسانوی دنیا میں اپنی منفرد خصوصیات کی بنا پر قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔حامدی کاشمیری، نور شاہ، خالد حسین، عمر مجید، آنند لہر، غلام نبی شاہد اور وحشی سعید وغیرہ کے اسماء گرامی اس لحاظ سے قابلِ توجہ ہیں۔وحشی سعید دبستان جموں وکشمیر سے وابستہ ایک ایسے فنکار ہیں جنہوں نے عصر حاضر میں اپنی جدت طبع سے افسانہ اور ناول نگاری کے فن کو کافی حد تک متاثر کر کے اہل ادب کی توجہ اپنی جانب مبذول کی ہیں۔

آپ کا اصل نام محمد سعید ترمبو ہے۔ابتدا میں شاعری کی طرف ذہن راغب تھا اور وحشی سعید ساحل کے نام سے لکھتے تھے۔رفتہ رفتہ انہوں نے ناول اور افسانہ نگاری کے میدان میں قدم رکھا اور اپنے خیالات وجذبات کی ترسیل کے لئے انہیں موثر پایا۔''وحشی سعید ساحل'' (ابتدائی تخلص) کو چھوڑ کر محض وحشی سعید تخلص اختیار کیا، جو علمی وادبی حلقوں میں ان کی پہچان ثابت ہوا۔اس سلسلے میں ظہیر انصاری کے یہ خیالات دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔لکھتے ہیں:

''یہ خاموشی، بردباری، سنجیدگی، متانت، ٹھراؤ، پھیلاؤ، رچاؤ ان کی (وحشی سعید کی) جو صفات حمیدہ ہیں، اسی وحشی کی وجہ سے ہیں۔اور یہی سبب ہے کہ گذشتہ پچاس (۵۰) برسوں سے اس لاحقہ کو چھوڑ نہیں رہے ہیں۔مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ ''لفظ'' ان کے لئے مبارک lucky ثابت ہوا ہے اور کسی قیمت پر یہ اسے تجنے کو تیار نہیں۔کوئی چاہے تو قیمت لگا کر دیکھ لے۔اسی لئے اردو ادب میں صرف اور صرف ایک ہی وحشی سعید ہے اور غالباً رہے گا بھی۔''

(وحشی سعید جیسا کوئی محبّ اردو ہے!!۔ظہیر انصاری)

ظہیر انصاری کی رائے سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔اس تخلص کو اختیار کرنے کی غرض وغایت کیا ہے؟ اس میں کون سے اسرار ورموز پنہاں ہیں؟ ان سوالات کے جواب وحشی سعید صاحب سے بہتر اور کون دے سکتا ہے، لیکن امر اتفاق یہ ہے کہ جب بھی وحشی سعید سے یہ پوچھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بھلا آپ یہ لفظ (وحشی) کیوں کر استعمال کرتے ہیں تو آپ فقط تبسم کر کے چپ سادہ لیتے ہیں۔لفظ ''وحشی'' جوں ہی کانوں میں گونجتا ہے تو طرح طرح کے وسوسے انسان کو گھیر لیتے ہیں، مختلف قسم کے خیالات ذہن میں جنم لیتے ہیں۔لیکن وحشی سعید ایک ایسی شخصیت کے مالک ہیں کہ دل کو بھا لیتے ہیں۔آپ میں کسی قسم کی وحشت یا خوب وہراس نہیں پایا جاتا ہے۔آپ بڑے رحم دل اور شریف النفس انسان ہیں۔عجز وانکساری آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔شمع افروز زیدی آپ کی مخلصانہ شخصیت کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

''خوش مزاج، خوش اخلاق، خوش وضع، حلیم الطبع، فقیر منش، کسی کو ذرا سا دکھ میں دیکھ کر تڑپ جانے والی صفت، عادات واطوار میں اسلاف کی شرافت،

خاکساری، انکساری، طبیعت میں حلیمی، کشمیر کے معراف خاندان کے چشم و چراغ، سرتا پا عجز و نیاز اور جز بہ خدمت وخلوص کا مرکب اگر تیار کیا جائے تو وحشی سعید ساحل کی تصویر مکمل ہوتی ہے۔ ''وحشی''، ''سعید'' اور ''ساحل'' نام ایک، خصوصیت تین۔ ''وحشی'' اگر چہ وحشی والی کوئی بات نہیں لیکن وحشی بمعنی مجنوں، مجنوں کے تمام خواص ان میں موجود۔ ''ادب کے مجنوں'' نگرنگر، ملکوں ملکوں صحرانوردی کرنے کے بعد درجنوں کہانیاں، ناول، ناولٹ اس کا ثبوت۔ ''سعید'' یعنی فرمان بردار والدین کے اور بیگم کے بھی اور ''ساحل'' ادب کا ساحل کہیں یا۔۔۔؟

وحشی سعید کو ابتداء سے ہی مطالعے کا بہت شوق رہا ہے۔ میٹرک میں ہی ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ ایس پی کالج میں داخلہ لینے کے بعد کشمیر کے مشہور زمانہ اخبار ''روزنامہ آفتاب'' کے ہفتہ وار ایڈیشن میں مسلسل طور پر ایک سال تک ''تاش کے باون پتے'' کے زیر عنوان آپ کی کہانیوں کا سلسلہ شائع ہوتا رہا۔ ''پرتاب'' نامی ادبی مجلّے میں ان کی کئی کہانیاں شائع ہوئی ہیں۔ ان کی ادب سے دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۸ء میں انہوں نے ''نگینہ'' کے نام سے ایک ادبی رسالہ جاری کیا، جو آج بھی متوتر شائع ہوتا ہے۔ نگینہ کی اشاعت میں وحشی سعید کے ساتھ ان کے بھائی ظہور ترمبو اور عبدالمجید ترمبو بھی پیش پیش ہیں۔ ''جمود کا جنازہ'' کے نام سے ۱۹۷۰ء کے آس پاس ان کا پہلا افسانہ ممبی سے شائع ہونے والے رسالے ''ماہنامہ شاعر'' میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ان کی کہانیاں یکے بعد دیگرے ریاست اور بیرون ریاست کے مشہور و معروف رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہیں، یوں آپ کا نام اہل ادب کی توجہ کا مرکز بنا اور داد و تحسین حاصل کرتا رہا۔

اب تک آپ کے سات ناول پتھر پتھر آئینہ، ایک موسم کا خط، عجب زندگی عجب موت، جائز۔ ناجائز، وحشت محبت، قحط اور فطرت۔ محبت۔ ندامت شائع ہو کر توجہ کا مرکز بن چکے ہیں۔ ناولوں کے علاوہ پانچ افسانوی مجموعے کنوارے الفاظ کا جزیرہ، سڑک جارہی ہے، ماضی اور حال، خوابِ حقیقت اور آسماں میری مٹھی میں اشاعت کے مرحلے سے گزر کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

وحشی سعید کے افسانوں کے مطالعے کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ان کے یہاں موضوعات کا تنوع بدرجہ اتم موجود ہے۔ سیاسی، سماجی، معاشی جبریت، شہری اور دیہی زندگی کے مسائل و معاملات وغیرہ جیسے موضوعات کو انہوں نے اپنی تحریروں میں بحسن وخوبی پیش کیا ہے۔ ''افسانہ نور کا نور کہاں ہے'' بظاہر دو تین صفحات پر مشتمل ایک مختصر سی کہانی ہے لیکن یہ کہانی اپنے اندر ایک وسیع کینوس سمائے ہوئی ہے۔ ایجاز و اختصار کی حامل یہ کہانی تین ساڑھے تین ہزار سال کی تاریخ کا نقش پیش کرتی ہے۔ زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک دنیا میں تباہی و بربادی کی جو صورت جاری و ساری ہے، اسے علامتی انداز میں منصۂ شہود پر لاتی ہے۔ ''نجات دہندہ'' نامی کہانی بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کہانی میں وحشی سعید نے دنیا کے عظیم مگر ظالم و جابر حکمرانوں کی سرکشی کے واقعات کو موضوع کے بطور پیش کیا ہے اور قارئین کی توجہ اس جانب مبذول کی ہے کہ ظلم و جبر کا انجام سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہے۔ افسانہ ''سودا'' عورتوں کی خودغرضی اور لالچی پن کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اس افسانے میں ایک ایسی عورت کا کردار پیش کیا گیا ہے جو محض دولت حاصل کرنے کی خاطر شادی جیسے عظیم بندھن میں بندھنے سے انکار کرتی ہے اور ایک امیر خاتون کو بچہ عطا کرنے کی غرض سے خود کو ایک غیر محروم مرد کے حوالے کر دیتی ہے۔ ''تہذیب یافتہ لوگ'' نامی افسانے میں ذات پات، مذہب، اور رنگ و نسل کے نام پر ہونے والے ظلم و جبر اور استحصال کی عکاسی فنکارانہ انداز میں کی گئی ہے۔ دراصل وحشی سعید کی عظمت کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ رومانیت، جنسیت، بے جا انقلابیت یا اس نوع کے ہیجان انگیز تجربات سے ہٹ کر زندگی کے مانوس اور چھوٹے چھوٹے مسائل کو اپنی کہانیوں کا موضوع بناتے ہیں۔ وہ کسی حقیقت کے فوری ردعمل کو بنیاد بنا کر خلا میں اڑنے نہیں لگتے بلکہ حقائق پر نظر جما کر اس کی گہرائیوں میں جاتے ہیں اور تحلیل و تجزیہ کے بعد ایک مکمل فن پارے کی تخلیق کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر افسانہ اپنی جگہ پر ایک تاثراتی نقش چھوڑ جاتا ہے، جس کی تخلیق میں وحشی سعید ضبط و اعتدال اور معروضیت سے کام لیتے ہیں۔ ان کی کہانیاں قارئین کے جذبات کو مشتعل یا برانگیختہ نہیں کرتی اور نہ اپنے مقصد کو ان پر مسلط کر کے تلقین و تبلیغ کا وسیلہ اختیار کرتی ہیں، بلکہ ان کے افسانے ایسا تاثر چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہماری بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور ہمارے تفکر کو مناسب سمت اور روشنی ملتی ہے۔ بظاہر وحشی سعید نے چھوٹی چھوٹی حقیقتوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے لیکن انہی حقیقتوں کے پس پشت وہ سماج کی بنیادی سچائیوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ آدھے

آدھے، بڑا دروازہ، آسماں میری مٹھی میں، کیا راون مرے گا، وغیرہ افسانے اس لحاظ سے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ بقول ڈاکٹر مشتاق احمد وانی:

''جب میں نے وحشی سعید کے افسانوں کا مطالعہ کیا تو میں نے یہ پایا کہ ان کا سماجیاتی مطالعہ نہایت وسیع ہے۔ حالات و واقعات اور حادثات و سانحات کو جانچنے، پرکھنے والی ان کی آنکھوں نے جدید کیمرے کا کام کیا ہے۔ اپنے ذہن کے کینوس پر جہاں انہوں نے زندگی کے حسین خواب سجائے ہیں تو وہیں انہوں نے سماج و معاشرے میں پنپ رہی ان تمام برائیوں اور لعنتوں کو بھی موضوع بنایا ہے جن کے باعث ہمارا پورا معاشرتی نظام مفلوج ہو کے رہ گیا ہے ۔''

(وحشی سعید۔۔۔مشاہیر کے روبرو)

ہئیتی و تکنیکی لحاظ سے بھی ان کے افسانے فن کی کسوٹی پر کھرے اترتے ہیں۔ وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ ایک کامیاب افسانے کے لئے موضوع اور ہئیت کا لحاظ لازم ہے، کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پلاٹ افسانے کا بنیادی جزو ہے۔ پلاٹ کو افسانے میں ریڈھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ ایک کامیاب پلاٹ کے لئے ضروری کے ہے کہ وہ ابتداء سے ہی قاری کو اپنی گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وحشی سعید کی کہانیوں میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود ہے۔ واقعات کی ترتیب میں وہ اس قدر مہارت رکھتے ہیں کہ کوئی بھی لفظ گراں نہیں گزرتا۔ افسانہ ''نجات دہندہ'' کا یہ ابتدائی اقتباس اس لحاظ سے قابل توجہ ہے۔:

''بہت پہلے کی بات ہے ایک ظالم حکمران اپنی رعایا کا وقت وقت پر قتل کرتا تھا۔ ان کے گھروں کو نذر آتش کرتا، بچوں کو نیزوں پر لٹکاتا۔ تباہی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا۔ اس لئے کہ اس نے پرکھوں سے سن رکھا تھا کہ سلطنت پر گرفت کو مضبوط رکھنی ہو تو اپنی رعایا کو خوف و دہشت کے ماحول میں رکھو۔ لیکن اتنا جابر ہونے کے باوجود وہ ناگ راج سے خوف زدہ رہتا۔ ناگ راج جو کہ غار میں رہتا تھا، کو دن کی روشنی میں بہت کم دیکھا گیا۔ کہنے والے کہتے ہیں ،دن کی روشنی میں وہ تب دکھتا تھا جب خوش ہوتا۔''

کردار نگاری، پلاٹ کے بعد افسانے کا دوسرا بنیادی جزو ہے۔ افسانے میں جو کوئی بھی واقع، خیال، تجربہ، وغیرہ پیش کیا جاتا ہے وہ کرداروں کی ہی مدد سے آگے بڑھتا ہے اور اپنی تکمیلیت کو چھوتا ہے۔ وحشی سعید نے اپنے افسانوں میں جو کردار پیش کئے ہیں (بعض کہانیوں کو چھوڑ کر) وہ ہماری روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور انسانی صفات سے متصف ہیں۔ وہ بھلے بھی ہیں اور برے بھی، وفا شعار بھی ہیں اور بے وفا بھی، ظالم بھی ہیں اور مظلوم بھی، غریب و نادار بھی ہیں اور جاگیر و سرمایہ دار بھی، اس کے علاوہ بعض علامتی طرز کے کردار بھی ان کی کہانیوں میں ابھر آئے ہیں، مثلاً راون، عجائب گھر، ندی، ناگ راج وغیرہ۔ اگرچہ ان کی بیشتر کہانیوں میں مرد کرداروں کو مرکزیت حاصل ہے لیکن عورتوں کے جو بھی کردار انہوں نے پیش کئے ہیں وہ نہ صرف جاندار ہیں بلکہ ان میں فعالیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ کرداروں کی پیش کشی میں وحشی سعید نے کمال فنکاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ منظر کشی میں وہ اتنی مہارت رکھتے ہیں کہ جس چیز کا بھی بیان کرتے ہیں اس کی ہو بہو تصویر آنکھوں کے سامنے پھیر جاتی ہے۔ افسانہ ''آسمان میری مٹھی میں'' کے مرکزی کردار ''زیب بٹ'' کے محل کی تصویر کشی وہ یوں کرتے ہیں:

''زیب بٹ کے محل کی پہلی منزل میں صرف تین کمرے تھے سب سے بڑے کمرے کا نام دیوان عام تھا۔ یہاں زیب بٹ سے ہر خاص و عام ملنے آتا تھا۔ دوسرے کمرے کا نام دیوان خاص تھا۔ یہاں وہ خاص لوگوں اور اہل خانہ افرود کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔ تیسرے کمرے میں زیب بٹ اپنے خانہ افراد کے ساتھ لزیز کھانے نوش کرتا تھا۔ اس کمرے کا نام دعوت خانہ رکھا گیا تھا۔ دوسری منزل میں بھی صرف تین کمرے ہی تھے۔ پہلا کمرہ تاج محل کہلاتا تھا۔ وہاں زیب بٹ اور اس کی خوبصورت بیوی آرام کرتے اور نیند کی انوکھی دنیا میں ہچکولے کھاتے تھے۔ اس کمرے کا فرش بہترین ایرانی قالینوں سے سجایا گیا تھا۔ یہاں کشمیری اخروٹ کی لکڑی سے بنا ہوا پلنگ اطلس اور کمخواب کے بستر سے آراستہ تھا۔ یہ پلنگ کشمیری کاریگری اور فنکاری کا شاہکار نمونہ تھا۔ اس کمرے میں اخروٹ کی لکڑی سے بنا ہوا ڈریسنگ ٹیبل، کھانے کی میز اور کرسیاں سب کے سب اعلیٰ فنکاری کے نمونے تھے۔ یہاں ایک بڑا ٹی وی لگا ہوا تھا۔ جدید لیپ ٹاپ بھی ایک

میز پر رکھا ہوا تھا۔''

مکالمہ نگاری کے ضمن میں بھی میں بھی وحشی سعید اپنی مثال آپ ہیں۔مقالمہ نگاری چونکہ افسانے کی جان ہے، مکالمے جس قدر چست اور جاندار ہونگے افسانہ اسی قدر کامیاب ومکمل قرار دیا جاسکتا ہے۔وحشی سعید نے اس سلسلے میں نہایت ایجاز واختصاری سے کام لیا ہے۔ان کی کہانیوں میں پیش کئے گئے اکثر چھوٹے چھوٹے جملے اپنے اندر معنوی کثرت لئے ہوئے ہیں۔وہ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے فن سے بخوبی واقف ہیں۔ان کی کہانیوں سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔:

''اب تو بتاو تم کون ہو''

''کیا میں کتابوں میں نہیں ملا''

''چلو! اب فانوس میں مجھے ڈھونڈو''

''تمہاری باتیں بھی عجیب معمہ ہیں کیا مجھے پریشان کرنے میں تمہیں لطف آرہا ہے''

''تم میری مٹھی میں ہو''

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وحشی سعید کی افسانوی دنیا نہایت وسیع اور بے حد گہری ہیں جسے کاغذ کے چند صفحات پر سمیٹنا نہ صرف مشکل ہی ہے بلکہ کافی حد تک ناممکن بھی ہے۔ان کے افسانے موضوعاتی، ہئیتی اور تکنیکی غرض ہر اعتبار سے داد وتحسین کے مستحق ہیں۔ ہر سطح پر ہونے والی بدعنوانیوں، ناانصافیوں، ظلم واستحصال، لوٹ مار، جنگ وجدل وغیرہ کو انہوں نے اپنی کہانیوں میں بڑی بہادری اور زندہ دلی سے پیش کیا ہے۔یہی نکتہ انہیں ریاست سے تعلق رکھنے والے فنکاروں سے ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

☆☆☆